

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرفِ آغاز

حبیب الرحمن عظمیٰ

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آر. ایس. ایس. کو سیاست میں غیر معمولی دلچسپی ہے۔ ہندوستان آئینی اعتبار سے کیسا ملک ہو؟ اس کے دستوری ڈھانچہ کی شکل کیا ہو؟ ملک کی سیاسی و اقتصادی پالیسی کس نوعیت کی ہو وغیرہ؟ سیاست کے تمام شعبوں کے بارے میں اس تنظیم کے اپنے مخصوص نظریات طے شدہ منصوبے اور متعینہ اصول ہیں جن کا اظہار اس کے سرسنگھ چالک اور دیگر اہم لوگ موقع بہ موقع کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ سیاسی نہیں تو پھر سیاسی کسے کہا جائے گا؟

پھر یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ یہ تنظیم پورے طور پر فاشسٹ سیاسی نظریات سے متاثر جمہوریت کی بجائے آمریت کی حامی رہی ہے اور مضبوط تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس کے رہنماؤں نے ہٹلر اور مسولینی کے قومی و سیاسی نظریات سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور ان سے بیحد متاثر ہیں۔ اس کے بڑے بڑے لیڈروں نے اٹلی اور جرمنی جا کر فاشنزم کی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے؛ چنانچہ ہندو سماج کو فوجی تربیت دینے کی ضرورت و اہمیت کو انھوں نے اٹلی و جرمنی کے ماڈلوں کو دیکھنے کے بعد ہی محسوس کی، آج ملک میں اس کی شاکھاؤں کا جو جال پھیلا ہوا ہے، وہ درحقیقت اسی فاشسٹ ذہنیت کی آبیاری کرتے ہیں اور انہی شاکھاؤں کے ذریعہ ہندو فاشنزم کے زہریلے جراثیم نئی نسل کے اندر سرایت کیے جاتے ہیں۔

نہرو میموریل میوزیم لائبریری دلی میں ایسے متعدد ریکارڈ محفوظ ہیں جن میں ہٹلر اور مسولینی سے ان کے تعلقات کے ثبوت ہیں۔ اس ریکارڈ کے مطابق سنگھ کے بانی ہیڈ گیوار کے قریبی ساتھی، دوست اور مشہور ہندو وادی بی. ایس. منجے ہندوستان کے اولیں لیڈر ہیں جن کا اٹلی و جرمنی کے ان

فاشسٹ حکمرانوں سے رابطہ ہوا۔ فروری، مارچ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس سے واپسی پر منجے نے اٹلی کا سفر کیا اور وہاں کے اہم فوجی اسکولوں اور تعلیمی اداروں کا بغور جائزہ لیا۔ اور اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی سے بھی ملاقات کی۔ نیز اٹلی میں فاشزم کی تعلیم و تربیت کے لیے جو تنظیمیں اس وقت سرگرم عمل تھیں انھیں بھی قریب سے دیکھا؛ چنانچہ منجے اپنی ڈائری میں ان تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں بللہ تنظیم کا ڈھانچا اور اس کا نظریہ مجھے پسند آیا اور میں اس سے بید متاثر ہوا۔ (اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ اٹلی کی فوجی تنظیم نو کے لیے مسولینی نے خود اس تنظیم کو تشکیل دیا تھا) آگے منجے لکھتے ہیں فاشزم کا نظریہ کس طرح لوگوں کو اتحاد کے بندھن میں باندھ سکتا ہے اس کا پتہ اس تنظیم کے دیکھنے سے اچھی طرح لگ جاتا ہے۔ ہندوستان، خاص کر ہندو بھارت کو بھی ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر ہیڈ گیوار کی قیادت میں ہماری تنظیم راسٹر یہ سویم سیوک سنگھ بھی اسی طرز پر بنی ہے۔ ڈاکٹر ہیڈ گیوار کی اس تنظیم کی ترقی اور پورے مہاراشٹر اور اس سے باہر اس کی توسیع کے لیے میں تاحیات سرگرم عمل رہوں گا۔

یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ آر. ایس. ایس اور مسولینی کی بللہ تنظیم کے طریق کار میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بللہ تنظیم میں ۱۶ سے ۱۸ سال کے لڑکے لڑکیاں شامل کی جاتی ہیں۔ ان کی ہفتہ وار میٹنگیں ہوتی ہیں جہاں وہ لوگ جسمانی ورزشیں اور نیم فوجی مشقیں کرتے ہیں۔ آر. ایس. ایس کی شاکھاؤں میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے۔

منجے اپنی ڈائری میں یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ

۱۹ مارچ ۱۹۳۰ء کو سہ پہر ۳ بجے میں مسولینی سے ملنے گیا۔ دروازہ تک آ کر انھوں نے میرا پر تپاک استقبال کیا۔ دوران گفتگو انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں نے ان کی یونین سٹی دیکھی، میں نے بتایا کہ میں ان کی قائم کردہ بللہ تنظیم سے کافی متاثر ہوا ہوں، اور میں مانتا ہوں کہ اٹلی کو ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے اور ہمارے ملک ہندوستان کو بھی۔ میں نے انھیں مقاصد کے تحت اپنے ملک میں بھی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں۔

ہندوستان واپس آ کر منجے نے اپنے دوست ہیڈ گیوار کو کافی متاثر کیا جس کے نتیجے میں آر. ایس. ایس نے اپنے پلیٹ فارم سے منجے کو فاشسٹ نظریات کی اشاعت و تبلیغ کی کھلی چھوٹ دے دی چنانچہ اسی سلسلہ میں ۳۱ جنوری ۱۹۳۲ء کو ’’فاشزم اور مسولینی‘‘ کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس کی صدارت خود ہیڈ گیوار نے کی تھی اور منجے نے اس میں افتتاحی تقریر کی تھی۔

اس کانفرنس کے چند ماہ بعد ۳۱ مارچ ۱۹۳۴ء کو منجے، ہیڈ گیوار اور لاگو کھلے کی ایک خفیہ مینٹنگ ہوئی، جس میں گو کھلے نے یہ سوال اٹھایا کہ ہندوؤں کو کس تدبیر سے منظم کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں منجے نے کہا کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس اتحاد کی بنیادیں پائی جاتی ہیں لیکن انھیں بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ قدیم زمانے کے ”شیواجی“ یا جدید دور کے مسولینی یا ہٹلر جیسے کسی ہندو ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہندوستان کی باگ ڈور ہو۔ ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ ترتیب دے کر اس کی تشہیر و تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہو جانا چاہیے۔ اسی منصوبہ کے مطابق منجے اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے ۱۹۳۴ء میں مسولینی کے فکری و عملی طرز پر بھونسلہ ملٹری اسکول قائم کیا گیا اور دی سینٹرل ہندو ملٹری ایجوکیشن سوسائٹی کی تشکیل کے لیے فضا ہموار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔

آر. ایس. ایس کے بانی ہیڈ گیوار ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک جس ہندو مہاسبھا کے سکریٹری رہے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک ”ساورکر“ اس کے صدر رہے۔ جو اٹلی کے مسولینی کے مقابلہ میں جرمنی کے ہٹلر سے زیادہ متاثر تھے، انھیں کے زمانہ میں مہاسبھا کی مسلم مخالفت کھل کر سامنے آئی اور یہ بات واضح ہو گئی کہ ان فاشٹ تنظیموں کے نظریہ کے مطابق وطن عزیز کے مبدیہ دشمن کون ہیں؟ ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مالے گاؤں میں تقریر کرتے ہوئے ساورکر نے ہٹلر کی یہود دشمن پالیسی کو درست قرار دیتے ہوئے کہا ”ملک کی تعمیر اس کے اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے نہ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر؛ اس لیے جرمنی میں یہودیوں کا کیا کام؟ اچھا ہوا کہ اقلیت ہونے کی بنا پر انھیں ملک بدر کر دیا گیا۔“ اس کے تقریباً دو ماہ بعد ۱۱ دسمبر ۱۹۳۸ء کو ایک موقع پر انھوں نے کہا: ”جرمنی میں جرمن لوگوں کی تحریک قومی تحریک ہے؛ جب کہ یہودیوں کی تحریک فرقہ پرستی پر مبنی ہے۔“ ان بیانات کی روشنی میں ہندوستانی اقلیتوں کے سلسلہ میں ان کے نظریہ کو بہ خوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

ہندو قوم پرستوں کے فاشٹ نظریہ کی وضاحت نہرو میموریل میں محفوظ منجے کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ”کھا پڑے“ کو لکھا تھا۔ اس میں منجے بڑی صراحت سے لکھتے ہیں: ”مسلمان شرارت پسند ہو گئے ہیں، کانگریس ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے؛ اس لیے ہمیں گاندھی اور مسلمان دونوں سے لڑنا ہوگا، اس کے لیے آر. ایس. ایس کا استعمال آسان اور مفید ہو سکتا ہے، چرنے کا مقابلہ آخر کار رانقل سے ہی کرنا ہوگا۔“

یہ تاریخی شواہد صاف بتا رہے ہیں کہ آر. ایس. ایس اور ہندو مہاسبھا جیسی تنظیمیں خالص سیاسی پارٹیاں ہیں اور یہ تنظیمیں ہٹلر اور موسولینی جیسے ڈکٹیٹروں کو جنھیں پوری دنیا نے مسترد کر دیا ہے اپنا آئیڈیل مانتی ہیں اور تشدد و جارحیت کے ذریعہ ہندوستانی اقلیتوں کو پامال اور مادر وطن سے انھیں باہر نکال پھینکانا ان کا بنیادی مقصد ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ کل کی ”جن سنگھ“ اور آج کی ”بھارتیہ جنتا پارٹی“ بھی دراصل آر. ایس. ایس ہی کا سیاسی حصہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ بی، جے، پی کے بانی ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی نے جب نہرو کا بینہ سے مستعفی ہو کر ایک قوم پرست پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے اس وقت کے آر. ایس. ایس کے سرسنگھ چالک گورو جی ہی سے کارکن مانگے تھے؛ چنانچہ انھیں سویم سیوکوں کو لے کر مکھرجی نے باضابطہ طور پر بھارتیہ جن سنگھ کی تشکیل کی جس کے وہ خود صدر بنے اور پنڈت دین دیال اپادھیائے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد میں کشمیر آندولن کے دوران گرفتار ڈاکٹر مکھرجی کی جیل میں موت واقع ہو گئی تو ایسا لگتا تھا کہ یہ نواز ائیدہ پارٹی دم توڑ دے گی تو اس وقت آر. ایس. ایس کے سویم سیوکوں ہی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس پارٹی کو زندہ رکھنے اور اسے بڑھانے کی بھرپور کوشش کریں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی اپنی یہ ابتدائی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس کا جنم آر. ایس. ایس ہی کے توسط سے ہوا ہے۔ علاوہ ازیں خود آر. ایس. ایس بھی اسے اپنی ہی پارٹی مانتی ہے۔ چنانچہ آر. ایس. ایس کے اشاعتی ادارہ سروچی پرکاشن سے شائع کتاب ”آر. ایس. ایس: ایک تعارف“ میں جن ۳۰ تنظیموں کو یکساں نظر ثانی تنظیم بتایا گیا ہے ان میں ایک نام بھارتیہ جنتا پارٹی کا بھی ہے۔ اب اس عہد نو میں ”ہندی اور ہندوستانی“ کے بجائے ملک کا ہر فرد ”ہندو“ ہے کا فلسفہ اور ”جے ہند“ کی جگہ ”رام رام“ کہنے کی نئی روایت ایجاد کرنے پر زور اور ملک کی اقلیتوں کو ایک خاص تہذیب میں ضم کر دینے کی کوشش وغیرہ فسطائی حرکتیں صاف بتا رہی ہیں کہ ہمارا جمہوری و سیکولر ملک کدھر جا رہا ہے؟

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے، اے ہندوستان والو!

